© rasailojaraid.com

شئونِ علمیہ

عمرِ طبعی کا اوسط

اٹھارہویں صدی عیسوی میں انسان کی عمر کا اوسط پینتیس[۳۵] سال تھا لیکن اُنیسویں صدی میں یہ اوسط پچاس سال ہوگیا۔ اور اب آج کل مرد کی عمر کا اوسط ساٹھ سال اور عورت کی عمر کا اوسط چونسٹھ سال ہے۔ اوسط کی زیادتی کے باوجود یہ عجیب بات ہے کہ آج کل انسان اتنا زندہ نہیں رہتا جتنا کہ وہ گذشتہ زمانہ میں رہتا تھا۔ زندگی کے بیمہ کی کمپنیوں کا خیال ہے کہ آج کل انتہائی عمر ۱۰۶ سال ہے۔ ولایات متحدہ امریکہ میں ۳ فی ہزار آدمی ایسے ہیں جن کی عمر سو کو پہنچی ہو۔

لیکن مصر کا معاملہ بالکل نرالا ہے، ایک طرف تو مصریوں کا حال یہ ہے کہ اُن کے یہاں سب قوموں سے زیادہ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے مصر میں تقریباً ۴۴ فی ہزار بچے ہر سال پیدا ہوتے ہیں، حالانکہ برطانیہ میں صرف ۱۷ فی ہزار، فرانس میں ۱۸ فی ہزار، اور جرمنی میں ۱۹ فی ہزار بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن دوسری جانب شرح اموات میں بھی مصر بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں ۳۵ انسان فی ہزار ہر سال مرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصریوں کی عمر کا اوسط بہت ہی زیادہ کم ہے۔ یعنی مرد کے لیے ۲۴ سال، اور عورت کے لیے ۲۷ سال۔ اب اس کے ساتھ ہی ہم حساب لگاتے ہیں کہ انسان کسی مفید عمل کا آغاز اٹھارہ برس کی عمر میں ہی کرتا ہے تو اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ ایک مصری کے عمل کی کل مدت صرف چھ سال ہے۔ جرمنی میں مرد کی عمر کا اوسط ۵۶ سال، انگلستان میں ۵۵ سال، فرانس میں ۵۲ سال، اور اٹلی میں ۴۹ سال ہے۔ البتہ ہندوستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں عمر کا اوسط ۲۰ ہے، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ بہتر ہے کہ کسی شخص کے یہاں ایک بچہ پیدا ہو اور وہ پچاس سال تک زندہ رہے، یا یہ بہتر ہے کہ اس کے ہاں پانچ بچے پیدا ہوں اور وہ سب دس دس برس کی عمر پوری کرلے کے بعد مرجائیں!

مصنوعی چہرے

گذشتہ جنگ عظیم کے بعد صرف امریکہ میں تقریباً ایک ہزار آدمی ایسے تھے جن کے چہرے مکمل نہیں تھے یعنی ان میں سے کسی کی ناک اڑی ہوئی تھی کسی کا کان، اور کسی کی ایک آنکھ، کسی کا ایک رخسارہ غائب تھا، اور کسی کا ہونٹ۔ امریکہ کے ڈاکٹروں نے ان اعضاء کے بالمقابل دوسرے مصنوعی اعضاء لگانے کی کوشش کی۔ گروہ بعینہ قدرتی اعضاء کی طرح نہ بنا سکے۔ ان مریضوں پر ڈاکٹری کی اس ناکامی کا اثر یہ ہوتا تھا کہ ان غریبوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی تھی۔ کیونکہ غیر متوازن بناوٹی اعضاء کی وجہ سے ان کو سوسائٹی میں کیا خود اپنے گھر میں اچھی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب ان ڈاکٹروں کو نقل مطابق اصل کرنے میں کامیابی ہوگئی ہے ان میں سے ایک ڈاکٹر کا بیان ہے کہ کوئی شخص ان زخمیوں کی مسرت کا اندازہ نہیں کرسکتا جبکہ ان کا چہرہ بناوٹی اعضاء لگنے کے بعد مکمل ہو جاتا ہے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ اصل چہرہ میں کوئی نقصان ہو، کیونکہ اس عمل جراحی کے بعد مصنوعی چہرہ قدرتی چہرہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دلکش اور صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔

کیا نصف دماغ بیکار ہے؟

موجودہ زمانہ کے دماغی آپریشن نے ایک نہایت عجیب و غریب حقیقت کا انکشاف کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب تک کون اس بات کا یقین کر سکتا ہے کہ انسانی دماغ کے ایک بڑے حصہ کو کاٹ دینے کے بعد بھی دماغ اور اعصاب اپنا صحیح کام انجام دے سکتے ہیں؟ لیکن ابھی حال میں پروفیسر بیروں سٹوکی نے نیویارک کی عصبی علوم کی انجمن میں اپنے متعدد تجربات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ انسان کا آدھا دماغ بالکل بیکار ہے، اُس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض حالات میں اگر انسان اپنے نصف دماغ پر ہی اکتفا کرلے اور نصف کا آپریشن کرکے اُسے نکال باہر کردے تو یہ اُس کے لیے پورے دماغ سے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے پروفیسر بیروں نے کہا کہ میں نے ایک مریض کے دماغ کے اگلے حصہ کا جس میں ذکاوت اور فکر کی قوتیں مرکوز ہوتی ہیں، آپریشن کیا اور اس حصہ کی ایک جانب کو آلۂ جراحی کے ذریعہ بالکل اڑا دیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مریض میں ذکاوت کی قوت پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی اور وہ معاملات کو پہلے سے زیادہ اچھے طریقہ پر سمجھنے لگا۔ پروفیسر موصوف کی رائے ہے کہ نصف دماغ کو اڑا دینا کل دماغ کے اُڑا دینے سے بہتر ہے۔ پھر جو نصف باقی رہ جاتا ہے اُس میں دماغ کے کل حصہ سے زیادہ قوتِ فکر ہے۔ پروفیسر موصوف کی یہ بھی رائے ہے کہ دماغ کے جزء مقدم کے دو حصوں میں سے اگر صرف ایک حصہ کو اڑا دیا جائے تو اُس سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی البتہ اگر دونوں حصوں میں سے ہر ایک سے کچھ کچھ حصہ ضائع کردیا جائے تو اُس سے انسان میں عصبی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

بعض ڈاکٹروں نے یہاں تک کہا ہے کہ ایک شخص کے دماغ میں دنبل ہوگیا تھا اُس کے نصف دماغ کو جو دائیں جانب ہوتا ہے آپریشن کے ذریعہ بالکل ضائع کر دیا، اور پھر کھوپڑی میں بھیجے کے عوض کوئی محلول چیز داخل کر دی۔ تو اس سے مریض پر کوئی ناگوار اثر نہیں ہوا اور وہ اپنے مرض سے نجات پا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالمگیر انفلوئنزا کا خطرہ

آج کل یورپ کے اکثر علمی رسالوں اور اخباروں میں یہ خطرہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ عنقریب عالمگیر انفلوئنزا ایک وبا کی صورت میں پھیلنے والا ہے اس خطرہ کے احساس میں تو قریب قریب تمام ڈاکٹر ہی متفق ہیں، مگر اختلاف اس میں ہے کہ اس خطرہ کا سبب کیا ہے؟ بعض ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ یہ موذی مرض ہمیشہ عالمگیر لڑائیوں کے بعد پھیلتا ہے، چنانچہ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد بھی انفلوئنزا تمام دنیا میں وبا بن کر نمودار ہوا تھا، اس کے برخلاف بعض ڈاکٹر اس خطرہ کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ کی تخصیص نہیں، بلکہ انفلوئنزا طبعی طور پر ہر بیس سال کے بعد پھیلتا ہے۔ چنانچہ ۱۸۸۹ء میں عالمگیر انفلوئنزا ہوا تھا۔ پھر ۱۹۱۹ء میں یہ وبا پھیلی اور اب پھر محسوس ہوتا ہے کہ اس بیماری کے جراثیم زمین کے ہر گوشہ میں موجود ہیں۔

دوسرے طبقہ کے ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ انفلوئنزا سے ہلاک ہونے والوں میں ۵۰ فیصدی وہ نوجوان مرد یا عورتیں ہوتی ہیں جن کی عمر سترہ اور چالیس سال کے درمیان ہوتی ہے یعنی اس مرض کا اثر اُن اجسام پر زیادہ ہوتا ہے جن میں عضلاتی اور اعصابی طاقت کی وجہ سے مرض کو روکنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ پس جب یہ اجسام ہلاک ہو جاتے ہیں تو انفلوئنزا بیس برس تک انتظار کرتا ہے تاکہ اُس کے لیے تازہ شکار مہیا ہو جائے۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان دو رایوں میں سے کس طبقہ کی رائے قرین صواب ہے لیکن اس میں شبہ نہیں اگر ان میں سے ایک رائے بھی درست ہے تو انفلوئنزا کا خطرہ ضرور ہے۔ کیونکہ آج کل عظیم الشان جنگ بھی ہو رہی ہے۔ اور پھر انفلوئنزا کی وبا کو پھیلے ہوئے بیس سال بھی ہو چکے ہیں۔ البتہ یہ اطمینان رکھنا چاہیے کہ اس بیس برس کی مدت میں مغربی طب نے جو غیر معمولی ترقی کی ہے اس کے پیش نظر ایسی احتیاطی تدابیر کی جا سکتی

© rasailojaraid.com